قرآن کریم کی روشنی میں جھوٹ کی بڑی وجوہات
خدا تعالیٰ حق ہے اس سے تعلق میں ہی نجات ہوگی۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 16 / جون 1995ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

ثُمَّ رُدُّوٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝ (الانعام: 63)

پھر فرمایا:۔

اسماء باری تعالیٰ کے مضمون کا جو سلسلہ جاری ہے یہ بھی اس کی کڑی ہے جو آج کا خطبہ ہے لیکن اس سے پہلے میں یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ جماعت احمدیہ سپین کی چودھویں مجلس شوریٰ آج منعقد ہو رہی ہے۔ مجالس شوریٰ سے متعلق پچھلے دو تین خطبوں میں ذکر گزر چکا ہے۔ اس لئے مزید کسی نصیحت کے اضافے کی ضرورت نہیں۔ باقی جو باتیں خطبے میں آئیں گی ان کو خصوصیت سے سب شرکاء مجلس شوریٰ پیش نظر رکھیں۔

سپین کی جماعت چھوٹی جماعت ہے ابھی تک اور جس طرح توقع تھی کہ یہ جلد جلد پھیلیں گے ابھی ان کی طرف سے پوری نہیں ہوئی۔ اگرچہ چار مربی ہیں وہاں لیکن ابھی تک جس قدر پھلوں کی ان سے توقع تھی وہ نہیں لگے۔ عام طور پر یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ زمین سنگلاخ ہے یا پانی کڑوا ہے، یہ بات درست نہیں ہے۔ سپین کی زمین پہ پہلے بھی پھل لگ چکے ہیں اور سپین کے مسلمان

جو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس دور میں ہوئے ہیں بغیر کسی جبر کے، بغیر کسی حرص کے مسلمان ہوئے تھے اور دو سو سال تک بعد میں انہوں نے اسلام کی خاطر قربانیاں دی ہیں، غاروں میں زندگیاں بسر کی ہیں لیکن دین نہیں بدلا۔ تو یہ کہہ دینا کہ زمین سنگلاخ ہے یا پانی کڑوا ہے۔ یہ درست بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر جگہ اب ہوائیں چل پڑی ہیں اور سپین کو بھی ان برکتوں سے حصہ لینا چاہئے۔ ساری جماعت کو شامل ہونا ہوگا اور ہر مربی کو، اپنے آپ کو اس معاملے میں جھونک دینا ہوگا۔ اس لئے صرف رپورٹیں کافی نہیں اب تو درخت گننے کا نہیں، پھل گننے کا وقت ہے اور پھل بھی اتنے بڑھ رہے ہیں کہ گننے کا وقت بھی نہیں اس سے معاملہ آگے نکل چکا ہے۔ تو کوئی ملک ایسا نہیں رہنا چاہئے۔ جو اللہ تعالیٰ کی اس عالمی برکتوں سے کسی پہلو سے محروم رہ جائے، تو میں امید رکھتا ہوں کہ سپین کی مجلس شوریٰ میں خصوصیت سے اس پہلو سے بھی غور ہوگا اور سب احمدی اپنے آپ کو مثمر بثمرات حسنہ بنانے کی کوشش کریں گے یعنی اچھے، دائمی نیک پھلوں والے درخت بننے کی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق دے۔

میں نے بیان کیا تھا کہ تمام صفات باری تعالیٰ ان چار بنیادی صفات سے پھوٹتی ہیں جو سورۃ فاتحہ میں بیان ہوئی ہیں۔ اس ضمن میں حمید صفت کا بھی، کسی گزشتہ خطبے میں غنی کے ساتھ ذکر آیا تھا اور بظاہر حمید صفت ان چار صفات میں شامل نہیں جو سورۃ فاتحہ میں بیان ہوئی ہیں۔ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٢ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٣ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ لیکن یہ بھولنا نہیں چاہئے کہ سورۃ فاتحہ کا آغاز حمد سے ہوتا ہے اور حمد کی صفت اللہ کے ساتھ اور دوسرے تمام اسماء کے ساتھ برابر کا تعلق رکھ رہی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اس کے ساتھ ہی یہ مضمون اس طرح جاری ہوتا ہے گویا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٢ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٣ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اور عربی قاعدے کے مطابق اس تفصیل سے ترجمہ کرنا بالکل درست ہے۔ حمد کا مضمون ان سب پر اطلاق پا رہا ہے۔ اس لئے حمید کہنے کی بجائے اسم مصدر استعمال فرمایا۔ جس کا ان تمام صفات سے براہ راست تعلق جڑ گیا اور یہ ضروری بھی تھا کیونکہ کوئی بھی صفت حسنہ اگر حمد سے عاری ہو کسی پہلو سے تو وہ سبحان نہیں رہتی، پاک نہیں رہتی اور حمد کا مضمون اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ کوئی چیز ہر برائی سے پاک ہو۔ پس اگرچہ سبحان بھی یہاں ہے جو خدا تعالیٰ کا نام ہے، عبد السبحان

کہا جاتا ہے، سبحان کا بندہ لیکن حمد اپنی ذات میں ایک بہت ہی گہرا اور وسیع الاثر لفظ ہے اور جس طرح قرآن کریم نے سورہ فاتحہ میں استعمال فرمایا ہے اس میں سبحانیت کا مضمون بھی داخل ہو جاتا ہے۔

پس وہ رحمٰن جو حمد کے لحاظ سے پورا نہ اترے، کامل حمد کا حق دار نہ ہو اس کا مطلب ہے کہ اس میں کوئی نقص رہ گیا ہے وہ سبحان نہیں ہے اور ایسے رحمٰن ہمیں دنیا میں عام ملتے ہیں۔ حد سے زیادہ بڑھے ہوئے نرم دل جو اپنی نرمی میں توازن کھو بیٹھتے ہیں، مائیں جو محبت میں اپنے بیٹوں کو بگاڑ دیتی ہیں ان کی عاقبت خراب کر دیتی ہیں تو کوئی بھی صفت خواہ کیسی اچھی کیوں نہ ہو جب تک اس کے ساتھ حمد اپنے کامل معنوں میں اطلاق نہ پائے اس وقت تک وہ اچھی صفت بھی کسی نہ کسی برائی میں مبتلا ہو سکتی ہے۔ پس حمید کا لفظ تو خدا تعالیٰ کے ہر اسم کے ساتھ سورہ فاتحہ میں چسپاں کر دیا گیا ہے۔ اس کے بغیر خدا کے کسی اسم کا تصور ہی کوئی نہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی صفات جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے جو آپ کھوج لگائیں تو آپ کو ان کا گہرا تعلق ان صفات باری تعالیٰ سے نظر آنا شروع ہو جائے گا جو سورہ فاتحہ میں بیان ہیں اور اللہ توفیق عطا فرمائے، فراست کو بھی تیز کرے، آسمان سے عرفان اتارے تو کوئی بھی، ایک بھی صفت خدا کی ایسی نہیں ہے جس کا ان صفات باری تعالیٰ سے قطعی یقینی جوڑ ثابت نہ کیا جا سکے جن کا سورہ فاتحہ میں ذکر ہے۔

آج کی ایک مثال کے طور پر میں نے لفظ حق کو چنا ہے۔ الحق خدا کا ایسا نام ہے جو اسے مجسم سچائی قرار دیتا ہے۔ حق سچائی کو کہتے ہیں۔ سچائی ایک صفت ہے جس کا وجود نہیں۔ مگر الحق جب کہا جاتا ہے تو مراد ہے جو کامل سچا ہو، جس میں سچائی کے سوا کوئی دوسرا عنصر نہ پایا جائے۔ جو سچائی کی اعلیٰ سے اعلیٰ تعریف ہو سکتی ہے وہ الحق لفظ میں داخل ہے۔ تو سوال یہ کہ الحق کا بیان یہاں کہاں موجود ہے۔ خدا کی سچائی کا ان چار صفات میں کہاں ذکر ہے۔ اس سلسلے میں میں آپ کے سامنے کچھ باتیں کھولنا چاہتا ہوں۔ یہ کوئی علمی بحث نہیں ہے بلکہ جماعت کے اندر گہری سچائی پیدا کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کی صفت حق یا اسم حق پر غور ضروری ہے اور اس کے تجزیہ سے پھر انسان کو پتا چلتا ہے کہ میں کیوں جھوٹ بولتا ہوں، کہاں کہاں ٹھوکر کھاتا ہوں اور حق ذات سے تعلق قائم کئے بغیر میں کن کن نعمتوں سے محروم ہوں یا محروم رہوں گا۔ یہ مضمون جب کھل جائے تو پھر اپنی ضرورت کو لوگ از خود اپنے سچائی کے معیار کو بلند تر کرنے کی کوشش کریں گے۔

جھوٹ کی جو وجوہات ہیں ان میں سے ایک ہے جھوٹی تعریف حاصل کرنا۔ جن کو تعریف کا شوق ہو اور تعریف سے عاری ہوں وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا (آل عمران: 189) کہ وہ لوگ جن کے ہاتھ پلے کچھ بھی نہیں ہوتا جو کچھ لاتے ہیں جھوٹ ہی لاتے ہیں اور خوش اس بات پر ہو رہے ہوتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جارہی ہے ان باتوں میں جو انہوں نے کی نہیں۔ تو بہت سی جھوٹ کی وجوہات حمد کی تمنا ہے۔ پس اگر آپ یہ کہتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تو وہاں ساتھ ہی یہ اقرار کرتے ہیں کہ یہ وہ ذات ہے جس کو حمد کی خاطر کسی جھوٹ کی ضرورت نہیں کیونکہ ہر سچی حمد جس کا تصور باندھا جاسکتا ہے، ہر قابل تعریف چیز جو اپنے درجہ کمال کو پہنچی ہے وہ اس ذات باری تعالیٰ میں موجود ہے تو جھوٹ کی جڑ ہی غائب ہوگئی۔ حمد کی تمنا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی جھوٹ کا کوئی تصور بھی نہیں باندھا جاسکتا کیونکہ یہ متضاد مضمون ہے اور انسان چونکہ حمد کا مالک نہیں ہوتا اور کامل حمد نہیں رکھتا اس لئے وہ اپنے نقائص کو دور کرنے کی خاطر فرضی خوبیاں اپنی بیان کرتا ہے یا پسند کرتا ہے کہ لوگ فرضی خوبیاں بیان کریں۔

یہ خوشامدیں، یہ اپنے نفس کی بڑائیاں، یہ تعلیاں، یہ ساری وہ چیزیں ہیں جنہوں نے معاشرے میں زہر گھول رکھا ہے اور اب اس پر غور کر کے دیکھیں اس کو تفصیل سے خاندانی جھگڑوں اور روزمرہ کی معاشرتی خرابیوں پر چسپاں کر کے دیکھیں تو آپ تو آپ کو پتا لگے گا کہ محض تعریف کی خاطر ایسی ایسی جھوٹ بکواس کی جاتی ہے کہ اس کے نتیجے میں پھر فتنے پیدا ہوتے ہیں اور ایسا شخص خود اپنا وقار بھی کھو دیتا ہے۔ بات کرتا ہے تو لوگ دوسری طرف منہ پھیر کر کہتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں بڑی عادت ہے اس کو شیخیاں بگھارنے کی، تعلیاں کرتا ہے، اپنے بچوں میں عزت کھو دیتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ مجھے کسی نے بتایا کہ ایسا ہی کوئی شخص تھا بے چارہ محروم کہ اس کی عادت تھی غلط باتیں، گپیں مارنے کی تو ایک جگہ اس نے خود مجلس لگائی اور کہا کہ بس یوں پھر میں نے یوں کیا تو اس کا بیٹا اسی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا وہ ایک طرف منہ کر کے اشارے سے کہتا تھا کہ ماننا نہ، سب گپ ہے۔ تو اولاد میں عزت باقی نہیں رہتی۔ تو جھوٹی عزت آدمی حاصل کر سکتا ہی نہیں۔ وہم ہے اور چند دن کے چرچے ہو سکتے

ہیں ہمیشہ کے لئے حق چھپ نہیں سکتا۔

تو بظاہر اللہ تعالیٰ کو حق نہیں فرمایا گیا مگر جو صفات کی داغ بیل رکھی گئی ہے اس میں حق داخل ہے۔ حمد کے نقطہ نگاہ سے تو اللہ تعالیٰ کو کسی جھوٹ کی ضرورت ممکن ہی نہیں ہے یعنی عقلی طور پر اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری ایک وجہ ہے حرص، دنیا میں بہت سے جھوٹ حرص کی خاطر بولے جاتے ہیں۔ جتنے مقدمے بنتے ہیں یہ ہماری جائیداد ہے، اصل میں ہماری تھی یا فلاں نے ہم سے لے لی اور واپس نہیں کی یا جھوٹے مقدمے قرض کے بنا دیئے جاتے ہیں غرضیکہ دنیا میں جتنے جھگڑے قضائی چلتے ہیں یا عدالتی چلتے ہیں ان میں ایک بڑا حصہ ان مقدموں کا حرص کے نتیجے میں پیدا ہونے والے جھوٹ سے ہے۔ اب پاکستان کے حالات آپ کے سامنے ہیں لیکن دوسری دنیا کی عدالتوں میں بھی چل رہا ہے صرف پاکستان تو خاص نہیں، ہندوستان اس قسم کی مثالوں سے بھرا پڑا ہے، بنگلہ دیش میں یہ قصہ جاری ہے، مغربی دنیا میں بھی یہ قصے چلتے ہیں نسبتاً کم مگر موجود کہ حرص کی خاطر جھوٹ بولا جاتا ہے۔

تو وہ وجود جس کا سب کچھ ہو، جو رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہو جس کے اوپر دوسروں کی بنا ہو اور اسے دوسروں سے کچھ لینے کی ضرورت نہ وہ اس کو کیا ضرورت ہے جھوٹ بولنے کی کیونکہ وہ حرص کا پہلو اس کا غائب ہو گیا کیونکہ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہے۔ اسی طرح دیگر صفات پر غور کریں۔ قرآن کریم نصیحت کرتے ہوئے یہ بیان فرماتا ہے وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (البقرہ: 189) کہ دیکھو تم اپنے اموال آپس میں باطل کے ساتھ نہ کھایا کرو۔ باطل کے کئی معنی ہیں لیکن بنیادی معنی جھوٹ ہی ہے۔ جھوٹ بول کے ایک دوسرے کے مال نہ کھاؤ یا جن باتوں میں خدا نے منع فرمایا ہے ان باتوں کو اختیار کر کے مال نہ کھاؤ یعنی حرام مال نہ کھاؤ۔ تو دونوں جگہ دراصل بنیادی معنی جھوٹ ہی کا ہے۔

جھوٹ کی خاطر جھوٹی چیز، غلیظ چیز حاصل کرنا یہ حرص سے تعلق رکھتا ہے اور حرص پیدا ہوتی ہے اس کو جو غریب ہو اور اگر غریب نہیں بھی ہے تو کامل مالک نہیں ہے۔ زمین و آسمان، کائنات سب اس کی نہیں ہے۔ کچھ کمی ہے تو اس کو لینے کی خاطر جھوٹ بولا جاتا ہے۔ جو تمام جہانوں کا رب ہے، ان کا پیدا کرنے والا، بن مانگے دینے والا، اس کو اس پہلو سے جھوٹ کی ضرورت ہی کوئی نہیں،

وہاں جھوٹ لگتا ہی نہیں، چسپاں ہی نہیں ہوسکتا۔

پھر جھوٹ کی ایک وجہ مؤاخذہ کا خوف ہے اور اکثر ہمارے معاشروں میں مشرقی ہو یا مغربی پکڑ کے ڈر سے جھوٹ بولا جاتا ہے۔ ایک بچے سے غلطی ہو یا ایک مجرم نے چوری کی ہو یا قتل کیا ہو کوئی بھی صورت ہو جہاں مؤاخذے کا خطرہ ہو وہاں جھوٹ بولا جائے گا۔ اگر مؤاخذے کا خطرہ نہیں ہوگا تو جھوٹ نہیں بولا جائے گا۔ اور اس کا حمد والے مضمون سے گہرا تعلق ہے اگر آپ ایک بات ایسی پوچھیں مجلس میں کہ خوشبو آتی ہے اگر، کہو کہ کس نے لگایا ہے عطر، کس نے خوشبو والی بات یعنی کس کی وجہ سے خوشبو آئی ہے تو لوگ جھوٹ بول کے بھی کہہ دیں گے کہ ہماری وجہ سے آئی ہے لیکن اگر کہیں بدبو آئی ہے تو کوئی جھوٹ نہیں بولے گا کیونکہ ڈرتا ہے اور وہ بھی انکار کردے گا یعنی جھوٹ بولے گا جس سے بدبو آئی ہے۔ تو یہ حمد اور برائی کا گہرا تعلق جھوٹ سے ہے۔ بعض صورتوں میں حمد کی خواہش جھوٹ پیدا کرتی ہے، بعض صورتوں میں برائی سے بچنے کا خیال جھوٹ پیدا کرتا ہے اور اس کا اگلا قدم مؤاخذہ ہے۔ جہاں سزا ملنی ہو وہاں انسان جھوٹ نہیں بول سکتا یعنی ان معنوں میں کہ اس نے جرم نہ کیا ہو اور جھوٹ بول رہا ہو لیکن جھوٹ بولے گا تو مجرم بولے گا اور مؤاخذے سے ڈر کر وہ جھوٹ بولے گا کہ نہیں میں نے کیا ہی نہیں تھا کیونکہ اس کو پتا ہے کہ اس کے نتیجے میں اس کے سر پر ایک سزا کی تلوار لٹکی ہوئی ہے۔

یہ جو مضمون ہے یہ انبیاء کی صداقت سے بڑا گہرا تعلق رکھتا ہے۔ انبیاء جب ایک دعویٰ کرتے ہیں تو اس دعوے کے نتیجے میں ان کو بہت بری سوسائٹی کی طرف سے سزا ملتی ہے، عزت پر حملہ کیا جاتا ہے، جان مال پر حملہ کیا جاتا ہے۔ وہ تمام اعلیٰ قدریں جو ان کو نصیب تھیں جن کا سوسائٹی اعتراف کرتی تھی ان قدروں سے انکار کردیا جاتا ہے۔ اب ایسا شخص جو جھوٹ بولتا ہے یا اس نے اپنی تعریف کی خاطر جھوٹ بولا ہے یا کچھ کمانے کی خاطر، حرص کی خاطر جھوٹ بولا ہے یا مؤاخذے کے ڈر سے جھوٹ بولا ہے۔ تو وہ کیسا انسان ہے جو پہلے تو اتنا معقول اور اتنا بلند مرتبہ انسان کہلاتا ہو کہ قوم میں اس پر امید سے نظریں پڑتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت صالحؑ کو کہا گیا کہ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا (ھود:63) تو ہمارے اندر مَرْجُوًّا تھا۔ ہم تو تم سے امیدیں لگائے بیٹھے تھے۔ بہر حال مَرْجُوًّا کا لفظ حضرت صالحؑ کے متعلق استعمال ہوتا ہے اور ہر نبی کے متعلق یہی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بھی لوگ امیدیں لگائے بیٹھے تھے جیسے حضرت صوفی احمد جان صاحب نے آپ کی ملاقات کے بعد یہ کہا کہ:

ہم مریضوں کی ہے تمہی پہ نظر
تم مسیحا بنو خدا کے لئے

تو انسان تعریف کی خاطر جھوٹ بولتا ہے، اس ڈر سے جھوٹ بولتا ہے کہ سزا نہ مل جائے اور حرص سے جائیداد حاصل کرنے کی خاطر جھوٹ بولتا ہے اگر ایسا دعویٰ کرے کہ جس میں عزت بھی جائے جائیداد بھی جائے اور ناحق مارا جائے۔ جرم نہ کیا ہو اور پھر بھی سزا مل رہی ہو تو ایسا شخص پاگل ہی ہوگا اور اگر عقل والا ایسا ہو اس سے پہلے کہ اگر اس کی عقل کا شہرہ ہو تو ایسے شخص کو جھوٹا قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک معاند مولوی، پہلے کی بات ہے میرے سے گفتگو کرنے آیا، تو اس نے اپنی طرف سے یہ اکٹھے کئے ہوئے تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے درجہ بدرجہ دعاوی اور اس کو پتا نہیں تھا کہ بعینہٖ یہی اعتراض عیسائی حضرت محمد ﷺ پر بھی کرتے تھے۔ کہ پہلے ایک چھوٹا سا جھوٹ بولا۔ پھر دوسرا پھر تیسرا پھر چوتھا۔ پہلے کہا میں موسیٰ سے بھی افضل نہیں ہوں صرف اہل مکہ کو ام القریٰ کو ڈرانے آیا ہوں بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں پہلے کہا کہ **عشیرہ** کو جو میرے قریب قرب وجوار میں میرے رشتے دار اور خونی اقرباء ہیں ان کو ڈرانے کے لئے آیا ہوں اور یہ وحی بنائی کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اپنے اقرباء کو ڈرا۔ پھر اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (الانعام:93) کو ڈرا۔ پھر دعویٰ بڑھایا اور یہ کہہ دیا کہ قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف:159) اہل کتاب کو پہلے مخاطب پھر آگے یہ دعویٰ کر دیا۔ تو اپنی طرف سے انہوں نے یہ بنایا کہ جھوٹ کی مثال ہے اس طرح لوگ رفتہ رفتہ بڑے بڑے دعاوی کرتے رہتے ہیں۔ تو مولوی صاحب کی عالمی طور پر تو مذہب کی تاریخ پر یا لٹریچر پر نظر نہیں تھی۔ مگر کہیں سے یہ پڑھ لیا کہ مسیح موعودؑ نے پہلے یہ دعویٰ کیا کہ میں مامور ہوں پھر مہدی، پھر مسیح، کرشن ہونے کا بھی کر دیا تو فہرست بنا کر آیا ہوا تھا کہ دیکھیں جی مرزا صاحب جھوٹے، صاف پتا چل رہا ہے۔

میں نے مولوی صاحب سے پوچھا، میں نے کہا مجھے یہ ایک بات بتائیں کہ اگر یہاں ربوہ

میں آپ کو لے جاتا ہوں بازار میں اور اعلان ہوتا ہے کہ کسی نے کوئی چیز چرائی ہے اور جس نے چرائی ہے اس کو سو جوتے پڑیں گے۔ آپ جھوٹا دعویٰ کریں گے اس وقت کہ ہاں ہاں میں نے چرائی ہے ۔میں نے چرائی ہے۔ میں نے کہا چور بھی نہیں کرے گا کیونکہ مؤاخذہ کے ڈر سے لوگ جھوٹ بولتے ہیں اور جہاں کھلی کھلی سزا مل رہی ہو معصوم کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ اس سے اگلا بڑا دعویٰ کر بیٹھے ابھی کافی نہیں ہے میری اور بھی دشمنی کرو۔ تو پہلا ہضم نہ ہوا ہوا اوپر سے ایک اور دعویٰ کر بیٹھے دوسرا ہضم نہ ہوا ہوا اور دعویٰ کر بیٹھے اور اس کی سزا بھی پوری نہ ملی ہو تو ایک اور دعویٰ کر بیٹھے۔ میں نے کہا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے نشان کو آپ کی تکذیب کے نشان کے طور پر دیکھ رہے ہو۔

میں نے کہا جب آپ نے دعویٰ کیا مامور من اللہ کا تو اس وقت مسلمان آپ کے دشمن ہوئے ، مہدی کا دعویٰ کیا مسلمان دشمن ہوئے اور مسلمان خود انگریزوں کی ایک رعایا تھے لیکن جب خوب مسلمانوں کا قہر آپ پر برسا ہے تو آپ نے کہا اچھا یہ تو بڑے مزے کی بات ہے کیوں نہ اپنی سلطنت کے فرمانرواؤں کو بھی دشمن بنا لیا جائے اور دعویٰ کر دیا کہ تمہارا خدا کا بیٹا مر گیا ہے اور میں مسیح ہوں۔ یہ کس قسم کا جھوٹا ہے جو ایسی باتیں کر رہا ہے۔ پھر اس کو خیال آیا کہ او ہو ابھی تو ہندو ناراض نہیں ہوئے۔ بات تو تب بنے گی کہ ان کو بھی ناراض کیا جائے ، کرشن ہونے کا دعویٰ کر دیا اور ہندوؤں کا غضب بھڑکا اور لیکھرام پیدا ہوا اور بڑے بڑے مقابلے ہوئے ، مرلی دھر سے کہیں مناظرہ ہو رہا ہے ایک شور پڑ گیا۔ تو قادیان کے گرد بہت سکھ تھے ، آپ نے فرمایا کہ ہندوؤں کا ہندوستان میں تو زور ہے مگر ارد گرد تو سکھ ہی ہیں نا۔ کیوں نہ سکھوں کو ناراض کیا جائے دعویٰ کر دیا کہ حضرت بابا نانک مسلمان تھے۔ میں نے کہا آپ ادنیٰ سی عقل سے کام لیں کوئی شخص جس کو سزا مل رہی ہو سچ بولنے کی اگر وہ سچ نہیں تو جھوٹ بولنے کی سزا ہے تو جھوٹا آدمی تو سزا سے بچنے کے لئے جھوٹ بولتا ہے۔ سزا حاصل کرنے کے لئے تو جھوٹ نہیں بولا کرتا۔ میں نے مثال دی۔ میں نے کہا آپ کو میں نے کہا ہے جرأت ہے تو کر کے دکھائیں یہ ناممکن ہے کہ ایک انسان ایسی چیز کا دعویٰ کرے جس کے نتیجے میں حمد نہ ہوتی ہو بلکہ گالیاں پڑتی ہوں اور سزا ملتی ہو۔ پاگل اس لئے کرتے ہیں کہ ان کو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ پاگلوں بیچاروں کے دعوے آپ نے دیکھے ہوں گے ، سنے ہوں گے گلیوں میں پھرتے رہتے

ہیں اوران کو کچھ بھی نہیں ہوتا۔اس سے فرق ہی نہیں پڑتا۔مگرایک صاحب علم،صاحب عقل،جس کا ماضی بے داغ ہواور جواپنی فراست کے لحاظ سے از خود قوم میں ابھر رہا ہواس پر توقع کی نظریں پڑ رہی ہوں اس شخص سے یہ توقع ہو ہی نہیں سکتی کہ وہ جھوٹ بولے کیونکہ قرآن کریم جومثالیں دے رہا ہے ان سے پتا چلتا ہے یا حمد کی خاطر جھوٹ بولا جاتا ہے۔حمد تو انہیں ملی نہیں۔یا سزا سے بچنے کی خاطر جھوٹ بولا جاتا ہے۔مگر جو کام کیا ہے اس کے نتیجے میں تو سزا ملی ہے۔لالچ کی خاطر جھوٹ بولا جاتا ہے ایسا دعوے دار تو اس وجہ سے اپنا سب کچھ کھو بیٹھتا ہے جو اس کا ہوتا ہے وہ بھی اس کو نہیں ملتا۔پس جھوٹ کی وجوہات پر غور کریں تو سورۃ فاتحہ کے اوپر ان کے اطلاق سے معلوم ہوگا کہ سورۃ فاتحہ کی جو بنیادی صفات ہیں ان میں سے ہر ایک،ایک الحق خدا کی گواہی دے رہی ہے کیونکہ ہر صفت اس کو جھوٹ کی ضرورت سے مبرا قرار دے رہی ہے۔

پھر جھوٹ بولنے کی وجوہات میں علم کی کمی پر پردہ ڈالنے کے لئے جھوٹ بولا جاتا ہے۔یہ جتنے بھی لوگ جلد بازی میں جواب دے دیتے ہیں نا کہ یہ کیا ہے؟ وہ کہتے ہاں ہاں یہ بات یوں ہے اور وجہ یہ ہے کہ اگر وہ نہ کہیں تو یوں لگے گا کہ ان کو پتا نہیں۔بعض لوگ اس بات کو برداشت ہی نہیں کر سکتے کہ ہماری لاعلمی ظاہر ہو جائے اس لئے جھوٹ بول دیتے ہیں اور یہ جھوٹ جو ہے یہ اکثر ان کی نظروں سے بھی چھپا رہتا ہے۔وہ بالارادہ جھوٹ نہیں بول رہے ہوتے وہ اپنے اندازے کو سچ سمجھتے ہیں اور اس عادت کی وجہ سے بعض بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔حضرت مصلح موعودؓ اس معاملے میں بے حد حساس تھے بلکہ الرجک تھے۔اگر کوئی پوچھے کہ بتاؤ یہ کیا ہوا ہے وہاں اور کوئی شخص اپنی طرف سے کہہ دے تو کہتے تھے کس طرح تمہیں پتا لگا،بتاؤ مجھے۔جب تو نے دیکھا نہیں،تو نے معلوم نہیں کیا تو کیوں اندازاً بتا رہے ہو۔بعض صورتوں میں اندازہ بھی ایک جھوٹ ہوتا ہے۔اگر کہا جائے اندازے لگاؤ تو وہ اور چیز ہے لیکن اگر حقیقت پوچھی جائے اور اندازہ پیش کر دیا جائے تو یہ جھوٹ ہے پس وہ لاعلمی کو چھپانے کی خاطر جھوٹ ہوتا ہے۔

قرآن کریم اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتا ہے اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنۡ هُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ (الانعام:117)۔اس آیت کا پہلا ٹکڑا ہے وَاِنۡ تُطِعۡ اَکۡثَرَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ یُضِلُّوۡکَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ؕ وہ اکثر لوگ جو زمین میں ہیں ان کی

عادتیں ایسی ہیں کہ اگر تو ان کی پیروی شروع کر دے تو تمہیں وہ ضرور گمراہ کر دیں گی۔ یہاں کافر اور مومن کی بحث نہیں اُٹھائی ۔ وَاِنۡ تُطِعۡ اَکۡثَرَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اور یہ کیسی سچی بات ہے کہ انسانوں میں بھاری اکثریت اس عادت میں مبتلا ہوتی ہے کہ جس کا علم نہ ہو اس کی بجائے اندازہ پیش کر دیتی ہے۔

تو فرمایا اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ تو عادی ہے حقیقت دیکھ کر بیان کرنے کا اور حقیقت دیکھ کر قبول کرنے کا۔ جن لوگوں کا تعارف ہم کروا رہے ہیں۔ انسان بحیثیت مجموعی، ان کی اکثریت ایسی ہے۔ جو ظن پر بات کرنے کی عادی ہے حقیقی علم سے نہیں ظن سے بات کر دی ہے وَ اِنۡ ھُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ (الانعام 117) اور اٹکل پچو لگانے والے لوگ ہیں یعنی ڈھکو سلے لگانے والے، اٹکل پچو باتیں کرنے والے، ان کے پیچھے جو لگے گا وہ گمراہ ہوگا اس کو کبھی ہدایت نصیب نہیں ہوسکتی۔ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعۡلَمُ مَنۡ یَّضِلُّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ (الانعام: 118) اب علم کا جو فقدان ہے اس کے نتیجے میں جھوٹ بولا جا رہا ہے اور اَعۡلَمُ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کو اور قرآن کریم میں جو سورہ فاتحہ کی صفات ہیں وہ کامل علم کا تقاضا کرتی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مضمون کو یوں بیان فرمایا ہے کہ رحمان تخلیق کے لئے بنیادی صفت ہے اور تخلیق علم کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ سب سے زیادہ علم خالق ہوا کرتا ہے اور دوسرے ربوبیت، اگر برائی سے پاک ہے تو لازماً علم کے ساتھ ہے ورنہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ایک ماں جس کو یہ نہیں پتا میں نے اپنا بچہ کس طرح پالنا ہے وہ اپنی لاعلمی میں رب نہیں بن سکتی۔ اگر بنے گی تو کسی جگہ ٹھوکر کھائے گی اور اس کو کوئی نقصان پہنچا دے گی اور پھر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ الحمد کی تعریف ہے اس ماں کے لئے، جس نے لاعلمی میں اپنے بچے کو زہر دے دیا۔

تو الحمد کا مضمون ربوبیت کے ساتھ ملتا ہے اور رحمان تخلیق کا مضمون ہے اس میں دخل کرتا ہے تو قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ ذات کامل علم رکھنے والی ہے کیونکہ جس نے پیدا کیا وہی جانے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرما رہے ہیں دوسرے کو کیا پتا کہ کیا چیز ہے؟ اس لئے وہ لوگ جو چیزیں ایجاد کرتے ہیں جیسا علم ان کو ہوتا ہے ویسا کسی دوسرے انجینئر کو یا اس فن کے واقف کو ہو نہیں سکتا۔ وہ اس کی گہری کنہ سے واقف ہوتے ہیں ان کو پتا ہے میں نے فلاں ٹکڑا کیوں استعمال کیا تھا فلاں قسم کی

دھات کیوں لی تھی۔تو سارا مضمون اس سے پہلے چھان بین کر کے وہ تسلی سے اس پر حاوی ہو چکا ہوتا ہے اس پر عبور حاصل کر چکا ہوتا ہے۔پس علم کا فقدان بھی بعض دفعہ جھوٹ پر انسان کو مجبور کر دیتا ہے خواہ وہ عمداً ہو یا غیر ارادی طور پر ہو اور سورۃ فاتحہ جس خدا کو پیش کرتی ہے وہ کامل علم والا ہے۔ایسا کامل علم کہ اس سے بڑھ کر علم متصور نہیں ہو سکتا۔

پھر قوتِ تخلیق سے جو لوگ عاری ہوتے ہیں وہ دراصل تو وہی ہے کہ جو تعریف کا شوق ہے اسی کے نتیجے میں یہ بات بھی بنتی ہے مگر یہاں تعریف کے ساتھ حرص بھی شامل ہو جاتی ہے۔دھوکہ دہی بھی شامل ہو جاتی ہے۔وہ لوگ جو کچھ بنا نہیں سکتے، حقیقی چیز بنا نہیں سکتے، وہ جھوٹی چیزیں بناتے ہیں اور جتنی بھی مارکیٹ میں مصنوعات ملتی ہیں جو جھوٹی Immitation ہیں اصلی نہیں ہیں۔یہ وہی مضمون ہے جو تماشا دکھانے والے تماشہ دکھاتے ہیں۔جادوگر جادو دکھاتے ہیں اور رعب ڈالتے ہیں کہ ہم نے اس چیز کو یوں کر دیا اور عوام الناس کو دھوکا دیتے ہیں دراصل یہ تخلیق کی تمنا ہے، اللہ کی صفت خالقیت سے کچھ حصہ لینا چاہتے ہیں۔جو ان کو نصیب نہیں ہوتا ایسی صورت میں پھر ان کو جھوٹ بنانا پڑتا ہے۔

قرآن کریم نے حضرت موسیٰؑ اور ان کے ساحروں کے مقابلے کی مثال رکھ کر اس مضمون پر روشنی ڈالی ہے۔ فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿٤٦﴾ (الشعراء:46) یہ نہیں فرمایا کہ موسیٰ کا سونٹا سانپوں کو نگل گیا۔فرمایا کہ سانپ تو تھے ہی نہیں۔ان کو کہاں یہ طاقت تھی کہ وہ سانپ بنا دیتے۔انہوں نے جھوٹ بنایا تھا۔سَحَرُوٓا أَعْيُنَ النَّاسِ (الاعراف:117) انہوں نے لوگوں کی آنکھیں باندھی تھی۔ان پر جادو کیا تھا۔تو کیسا فصیح و بلیغ کلام ہے کہ فرماتا ہے کہ اس کے جھوٹ کو کھا گیا سونٹا یعنی اصلیت ظاہر ہوگئی وہ رسیوں کی رسیاں دکھائی دینے لگ گئیں۔تو جو کھایا تھا وہ سانپ نہیں کھائے تھے۔وہ جھوٹ کھایا تھا ان کا۔یعنی جھوٹ کو نگل گیا۔جھوٹ کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہی۔حق آ گیا اور باطل چلا گیا یہ مضمون ہے۔تو جتنے بھی مداری، تماش بین یا مارکیٹ میں مصنوعی چیزیں بنا کے پیش کرنے والے ہیں وہ اس وجہ سے جھوٹ بولتے ہیں اور جو خالق کل ہے اس کو اس کی ضرورت کوئی نہیں۔جو تخلیق پر کامل عبور رکھتا ہے اس کو ضرورت ہی کوئی نہیں۔

پھر از راہ ظلم کئی دفعہ جھوٹ بولا جاتا ہے اور ظلم کی وجہ، درحقیقت مالکیت کی کمی ہے۔ جو شخص مالک نہیں ہوگا اور ہر چیز کا مالک نہیں ہوگا۔ جہاں اس کی ملکیت سے باہر کوئی مالک ہوگا اس کے دل میں تمنا پیدا ہوگی کہ میں اس کی مِلک کو بھی لے لوں۔ یہ حرص ہے ظاہر ہے جیسا کہ میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے لیکن اس مضمون کا ایک تعلق ملکیت سے بھی ہے، بادشاہت سے بھی ہے ایک تو وہ لوگ ہیں جو بادشاہ نہیں ہوتے اور بادشاہ نہ ہونے کی وجہ سے جھوٹ بول کر دوسرے کا مال یہ کہہ کر لیتے ہیں۔ یہ ہمارا تھا مگر لینے کا اختیار ان کو نہیں ہوتا۔ لینے کا اور دینے کا اختیار ایک حکومت کو ہوتا ہے۔ بادشاہت کسی اور کی ہوتی ہے۔ جو خود بادشاہ ہو وہ اگر لے گا تو ظلم کی راہ سے لے گا اور خدا تعالیٰ جو مالک کل ہے، جس کی ملکیت کا دائرہ ہر چیز پر حاوی ہے اور بادشاہ بھی وہی ہے اس کو کسی جھوٹ کی ضرورت نہیں ہے اور بعض دفعہ ایسی غلطیاں، خفیف سی غلطیاں ایک نیت پر اثر انداز ہو جاتی ہیں اور بڑے بڑے بزرگوں کی نیت پر بھی بعض دفعہ ایسی چیزوں کا ہلکا سا سایہ پڑ جاتا ہے۔

حضرت داؤدؑ کی مثال قرآن کریم پیش فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رات کے وقت وہ شخص چھلانگ لگا کر ان کے قلعے میں، ان کے محل میں داخل ہو گئے اور کہا کہ ڈرو نہیں اے داؤد، یہ نہ سمجھ کہ ہم چور اچکے ہیں یا ڈاکو ہیں۔ کسی شور کی ضرورت نہیں ہم تو ایک مقدمہ پیش کرنے آئے ہیں اور مقدمہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ میرے پاس ایک بھیڑ ہے صرف اور یہ جو میرا بھائی ہے یا ساتھی اس کے پاس ننانوے ہیں۔ یہ کہتا کہ اپنی ایک مجھے دے دو تا کہ میری سو پوری ہو جائیں اور میں کہتا ہوں کہ میرے پاس ایک ہی ہے میرے پاس تو کچھ بھی نہیں رہے گا۔ تو بتا کہ اس صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ تو حضرت داؤدؑ نے فیصلہ تو دیا لیکن ساتھ سجدہ ریز ہو گئے یہ سمجھتے ہوئے کہ اللہ نے مجھے آزمایا ہے۔ آزمایا ہے اور متنبہ فرمایا ہے کہ کہیں تم جس کی ملکیت بھی اور جس کی سلطنت بھی توسیع پذیر ہے، پھیلتی چلی جارہی ہے اس خیال سے کہ ہمسایہ ملکوں میں سے کوئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہیں انہوں نے الگ رہ کر کیا کرنا ہے ان کو بھی ساتھ شامل کرو، زیادتی نہ کرنا کسی پر۔

بعض مفسرین نے تو اس کا بالکل لغو، بیہودہ ترجمہ کیا ہوا ہے کہ ننانوے بیویاں تھیں تو کسی اور کی سو ویں لینا چاہتے تھے۔ اگر وہ بادشاہ تھے تو ساری سلطنت کی حسین ترین عورتیں ان کے قبضے میں تھیں اس زمانے میں بادشاہت تو مطلق العنان ہوا کرتی تھی۔ یونہی فرضی قصے بنائے ہوئے ہیں

بائبل سے لے کر اور آنکھیں بند کر کے قبول کر لئے۔ دراصل حضرت داؤدؑ کو یہ نصیحت فرمائی گئی تھی کہ تجھے خدا نے عظیم سلطنت عطا کی ہے لیکن بڑی سلطنتوں کی ہمسائیگی میں چھوٹے چھوٹے ممالک بھی ہوا کرتے ہیں اور بسا اوقات ایک انسان کو، ایک بادشاہ کو یہ بات دھوکے میں مبتلا کر دیتی ہے کہ یہ بڑے کا حصہ بن جائیں گے تو اچھے رہیں گے اور ہماری طاقت بڑھے گی اور ان کا بھی کیا نقصان ہے ایک بڑی سلطنت کا حصہ بن جائیں گے تو اس قسم کے نفس کے دھوکے بعض دفعہ ظلم پر مجبور کر دیا کرتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ کیونکہ مالک ہے اور مالک کل ہے اس لئے اس کو کسی اور چیز کو اپنانے کی ضرورت نہیں نہ جھوٹ بول کے، نہ ظلم کی راہ سے، ضرورت ہی کوئی نہیں اور اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے حق کی صفت کو ملک کی صفت کے ساتھ باندھا ہے اور مالک کی صفت سے نہیں باندھا۔ یہ آگے جا کر جب میں آیات کو تفصیلی طور پر اس مضمون میں، بعض اور مثالیں آپ کے سامنے رکھوں گا تو یہ ایک دلچسپ چیز سامنے آئے گی کہ خدا تعالیٰ کے حق ہونے کی صفت کو مالک کی بجائے ملک سے باندھا گیا ہے اور اس کی وجہ وہی ہے جو میں بیان کر رہا ہوں۔ ملک قانون کا حکمران ہوتا ہے اور ناانصافی کا تعلق قانون سے ہے مالکیت سے نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص مالک ہے۔ تو کسی ایک کو دے دے اور کسی کو نہ دے تو اس کو ناانصافی نہیں کہہ سکتے۔ جس کو مرضی دے دیں آپ، جس پر دل آ جائے اس کو آپ عطا کر دیں۔ آپ مالک ہیں آپ کی چیز ہے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا اوہو! آپ نے بڑی ناانصافی کی ہے سارا شہر بستا ہے اس میں سے ایک کو دے دیا اور کروڑ باقی رہ گئے ان کو کچھ نہیں دیا۔ تو یہ جہالت ہے اس کے سوا اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

اصل میں صفت حق کا یا انصاف کا مالکیت سے تعلق نہیں ہے ملکیت سے تعلق ہے۔ تو قرآن کریم نے جہاں جہاں اس تعلق کو باندھا ہے وہاں ملک کا لفظ استعمال فرمایا ہے، مالک کا نہیں لیکن اس کے باوجود یہ سورہ فاتحہ میں داخل ہے کیونکہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا مضمون ملوکیت پر حاوی ہے اور ملکیت پر بھی حاوی ہے۔ فیصلہ کرنے والا بھی وہی ہے، قضا بھی اسی کے پاس ہے اور مالک بھی وہی ہے۔ تو حق کا لفظ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے یا حق کا اسم سورہ فاتحہ میں ہر اس اسم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جو بیان ہوا ہے اور اس سے باہر کچھ نہیں ہے۔ پس اس بات کا کامل یقین رکھیں کہ صفات باری تعالیٰ کی ماں سورۃ فاتحہ ہے یعنی وہ صفات ہیں جو سورہ فاتحہ میں بیان ہوئی ہیں اور جس طرح کتاب کی

ماں سورہ فاتحہ ہے اس طرح اسماء باری تعالیٰ کو سمجھنے کے لئے بھی سورہ فاتحہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور اس کے تعلق سے یہ مضمون زیادہ کھل کر سامنے آتا ہے۔

اب میں ان آیات کی بات کرتا ہوں جن میں اس مضمون کو مختلف رنگ میں پھیر کر بیان فرمایا ہے۔ اب تک تو میں یہ بات پیش کر رہا تھا۔ جس میں جھوٹ کی وجوہات بیان ہوئی ہیں اور ان کی روشنی میں ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفت حق، اس کا حق ہونا سورہ فاتحہ کی جوام الصفات ہیں ان سے گہرا قطعی تعلق رکھتا ہے اور سو فیصد یقین کے ساتھ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ان صفات کا مالک جھوٹا ہو ہی نہیں سکتا۔ ناممکن ہے کہ اس کا جھوٹ سے کوئی تعلق ہو اور چونکہ جھوٹ کے ہر پہلو کی نفی ہوگئی ہے اس لئے اسے ''الحق'' کہا جا سکتا ہے۔ کامل سچا جس کا جھوٹ کے کسی پہلو سے بھی دور سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اب اللہ تعالیٰ نے جو حق صفت کو استعمال فرمایا ہے۔ جن جن موقعوں پر جہاں جہاں ان پر اگر آپ غور کریں تو آپ کو اپنے کردار کے لئے اس میں بہت سی روشنی ملے گی اور حق ذات کو سمجھ کر وہ کیا چاہتا ہے اور اس سے کیا کیا فوائد وابستہ ہیں۔ ایک بات تو بہر حال قطعی طور پر ماننی ہوگی کہ اگر آپ حق کی ہر صفت سے عاری ہیں تو حق سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ تعلق کسی قدر اشتراک سے ہوا کرتا ہے۔ اگر کوئی اشتراک نہ ہو تو تعلق ٹوٹ جاتے ہیں اس لئے آخری صورت میں اگر اور کوئی تعلق نہ ملے تو انسان انسان کا تعلق ہی ہے۔

اگر جنگل میں دو تین آدمی رہ جائیں تو ان کا شیروں سے تو تعلق نہیں آپس میں تعلق ہوگا لیکن شیر اگر رہ جائیں انسان نہ ہوں اور کوئی آفت آپڑے تو شیروں کا آپس میں تعلق ہوگا۔ ایک بہت بڑے آرٹسٹ نے ایک طوفان کی تصویر بنائی ہے اس میں طوفان میں گھرے ہوئے گھوڑے ایک دوسرے سے گردن جوڑے کھڑے ہیں جو عام طور پر بڑے شدید اور طاقتور اور تیز مزاج کے گھوڑے نظر آرہے ہیں۔ جو عام حالات میں ایک دوسرے کو مارتے، ایک دوسرے سے رقابت کرتے، گھوڑیوں کی خاطر ان کی لڑائیاں ہوتیں لیکن اس طرح وہ جڑے کھڑے ہیں آپس میں کہ جیسے ان سے بڑھ کے محبت ہو ہی نہیں سکتی۔ تو Common جو مشترکہ خطرات ہیں ان کے نتیجے میں کوئی قدر مشترک ہوتی ہے جو انسان کو یا ایک جاندار کو دوسرے جاندار سے جوڑتی ہے۔ اگر صفات باری تعالیٰ

کے ہر پہلو سے انسان اپنا تعلق توڑ لے تو اس صفت کے ہر فیض سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ حق کیا ہے اور قرآن کریم حق کے متعلق کے کیا کیا فوائد بیان کرتا ہے۔ بعض ایسے فوائد بیان کرتا ہے۔ بعض ایسے فوائد ہیں جو آپ کو فوری طور پر سمجھ آ سکتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو نہیں سمجھ آتے کھول کر بیان کرنے پڑتے ہیں یا غور کریں گے تو آپ کو سمجھ آئے گی۔ چند آیات جو میں نے نمونے کے لئے آج کے لئے چنی ہیں ان میں سے شاید ایک دو پر ہی گفتگو ہو سکے وہ یہ ہیں۔ سورہ انعام کی آیت باسٹھ اور تریسٹھ۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ﴿٦٢﴾ ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۚ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ ﴿٦٣﴾ (الانعام: 62-63)

وہ اپنے بندوں پر قاہر ہے اور قاہر کا مضمون اگر چہ اردو میں جب لفظ قہر کہتے ہیں تو ذہن میں منفی مضمون ابھرتا ہے مگر قاہر اس ذات کو کہتے ہیں جو کامل طور پر اختیار رکھتی ہے اور اتنا کامل اختیار ہے کہ بے خوف ہو کر اگر وہ سزا دینا چاہے تو تب بھی دے سکتا ہے جو چاہے کر لے کیونکہ مکمل قبضہ ہو اس وقت قاھر ہوتا ہے اگر مکمل قبضہ نہ ہوں ہو تو قاھر مکمل نہیں ہوا کرتا ہے۔ انسانی Politics میں بھی یہ بات بار بار سامنے آتی ہے۔ جہاں کسی اور ذات کا خوف ہو وہاں قہر پورا نہیں ٹوٹتا۔ اب بڑی طاقتیں چھوٹی طاقتوں پر کچھ نہ کچھ رحم بظاہر کیا کرتی تھیں اس وجہ سے کہ ایک دوسرے سے خوف تھا جب وہ خوف ٹوٹے تو قہر ظلم میں تبدیل ہو گیا حالانکہ موجود تھا مگر دکھائی نہیں دے رہا تھا کیونکہ قاہر منفی صورت اس وقت اختیار کرتا ہے جب کسی اور ذات کا خوف نہ ہو۔

تو اللہ تعالیٰ کے تعلق میں جب لفظ قاہر آتا ہے تو مراد یہ ہے کہ وہ چاہے تو ہر ایک کو ملیا میٹ کر دے اس کو پوچھنے والا کوئی نہیں لیکن چونکہ حمید ہے اس لئے اس طاقت کے باوجود وہ لوگوں کو مٹاتا نہیں ہے اور بعض دفعہ لوگ مٹانے کا استحقاق بھی حاصل کر لیتے ہیں یعنی اس کے پوری طرح سزاوار بن جاتے

ہیں اور پھر بھی اللہ نہیں مٹاتا ہے۔فرماتا ہے اگر اللہ چاہتا تو تمہارے گناہوں کی وجہ سے تمہیں ہی نہیں بلکہ سارے جانداروں کو مٹا دیتا، ایسے ایسے بڑے تم گناہ کرتے ہو۔ چونکہ حمید ہے غیر معمولی حوصلہ ہے غیر معمولی حلم ہے اس لئے قاہر ہونے کے باوجود اس کا منفی اثر ظاہر نہیں ہوتا بلکہ محض مثبت اثر ظاہر ہوتا ہے اور قاہر اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کسی انسان کو مٹانے کی استطاعت نہ ہو کسی چیز کو مٹانے اور نقصان پہنچانے کی استطاعت نہ ہو اگر استطاعت ہی نہیں تو اس کو قاہر نہیں کہہ سکتے۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ اپنے بندوں پر وہی ہے جو قاہر ہے۔کامل اختیار رکھتا ہے اور اگر سزا دینا چاہے اور اگر مٹانا چاہے تو اس کی تقدیر جو موت وارد کرتی ہے، اس کی تقدیر جو زندگی سے موت کی طرف لے جاتی ہے وہ تو جاری ہے ہر قدم پر وہ مٹ سکتا ہے۔اس وجہ سے وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً اس نے تمہاری حفاظت کی خاطر انتظام کر رکھا ہے کہ میری تقدیر کے ہاتھوں از خود نہ مٹ جاؤ اور یہی وہ مضمون ہے جو قرآن کریم دوسری جگہ فرماتا ہے کہ تم گناہ ایسے ایسے کما رہے ہو، ایسے ایسے کما چکے ہو کہ اگر تمہارے ساتھ جانوروں کی بھی صف لپیٹ دی جاتی تو جائز ہوتا۔اس کے باوجود کوئی چیز اس کو روکے ہوئے ہے اور قرآن کریم اس مضمون کو دوسری جگہ یوں بیان فرماتا ہے۔لَهُ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (الرعد:12) ہر انسان کے لئے جو ظاہر میں چلتا ہے یا چھپ کے چلتا ہے، رات کو نکلتا ہے یا دن کو نکلتا ہے خدا تعالیٰ نے حفاظت کے لئے آگے اور پیچھے نگران مقرر کر رکھے ہیں جو اس کو بچا رہے ہیں۔کس چیز سے؟ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اللہ کے امر سے بچا رہے ہیں۔عام طور پر جو ترجمہ کرنے والے ہیں اس ڈر سے کہ اوہو یہ کیسے مطلب ہو سکتا ہے کہ اللہ کے امر سے کوئی بچائے وہ اس کا ترجمہ کر دیتے ہیں کہ اللہ کے حکم سے ان کو بچایا جا رہا ہے حالانکہ عن امر اللّٰہ نہیں ہے مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ہے اور مِنْ کا محاورہ میں نے ایک دفعہ پہلے بھی قرآن کریم سے نکال کے دکھایا تھا۔جہاں جہاں بھی آیا ہے وہاں اس امر سے حفاظت کا مضمون ہے، اس کی وجہ سے نہیں۔پس یہاں کیا کیا مضمون ہے۔دراصل تقدیر الٰہی ہی ہے جو زندگی بخشتی ہے اور تقدیر الٰہی ہی ہے جو موت بخشتی ہے۔کسی کو تو مرنے کا بھی اختیار نہیں اگر تقدیر الٰہی نہ ہو تو۔تو اگر خدا کی تقدیر سے

کوئی بچتا ہے تو خدا کی تقدیر کی وجہ سے بچتا ہے۔ایک تقدیر زندگی کی حفاظت کر رہی ہے۔ایک تقدیر موت کی طرف بلا رہی ہے تو فرماتا ہے کہ ہماری تقدیر جو تمہیں ایک خاص مدت تک زندہ رکھنے کا فیصلہ کئے ہوئے ہے، وہ تمہیں ہماری دوسری تقدیر سے بچا رہی ہے ورنہ اللہ قاہر کامل ہے اس کا اختیار اتنا مکمل ہے سزا دینے کا بھی اور مٹانے کا بھی کہ اگر خدا ہی کی تقدیر تمہیں خدا کی دوسری تقدیر سے نہ بچاتی تو تمہارا کچھ بھی وجود باقی نہ رہتا۔اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ (الانعام: 62)اس مضمون کو کھول دیا ہے۔اس کی تائید میں قرآن خود بیان فرما رہا ہے۔کہتا ہے ہاں اس وقت تک بچاتی ہے جب تک خدا کی تقدیر موت کی تقدیر نہ آجائے۔جب موت کی تقدیر آتی ہے تو پھر اللہ بھیجتا ہے ان لوگوں کو ان فرشتوں کو جو موت کا پیغام لے کر آتے ہیں اور وہ کسی چیز میں زیادتی نہیں کرتے، کچھ اضافہ نہیں کرتے کسی چیز میں، جتنا خدا کہتا ہے اتنا ہی کرتے ہیں۔ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ اب یہاں حق کے لفظ کا استعمال ہے جو میں بیان کر رہا تھا۔پھر وہ تمام تر اس مولیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو حق ہے لَهُ الْحُكْمُ اور حکم بھی اسی کا ہے وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ اور حساب میں بہت تیز ہے۔اب مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے جو حق کا تعلق ہے یہ جوڑ کر ہمیں اپنے اعمال کی نگرانی کا حکم دیا گیا ہے کہ تم اس دنیا میں اگر بچتے ہو اپنی سزاؤں سے تو یاد رکھو قاہر کی زد سے تم بچ سکتے ہی نہیں تھے۔یہ محض اس کا احسان ہے کہ اس کی دوسری تقدیر جاری ہوتی ہے اس کی ایک تقدیر سے بچانے کیلئے لیکن یہ سلسلہ موت تک صرف چلے گا۔جب موت آئے گی تو خدا کے بھیجے ہوؤں کی وجہ سے آئے گی۔پھر تم مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے حضور پیش ہوگے۔یہاں مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کہے بغیر اس کے مضمون کو بیان فرمایا گیا **مولاھم الحق**، مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ وہ ہے جو حق سے فیصلہ کرے گا۔

قرآن کریم اس مضمون کو خوب کھول رہا ہے۔سچا ہے اور سچائی سے فیصلہ کرے گا کسی پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی اور جن فرشتوں کو بھیجا تھا ان فرشتوں کی صفات بتا رہی ہیں کہ جس خدا کے حضور جا رہے ہیں اس کی طرف سے زیادتی ہو ہی نہیں سکتی تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ایسے فرشتے بھیجتے ہیں جو اس موت کے وقت بھی ان پر کوئی زیادتی نہیں کرتے۔جو حق ہے اس سے وہ

آگے نہیں بڑھتے۔تو جو بھیجنے والا بھیجتا ایسے ہے جو زیادتی نہیں کر سکتے اس سے زیادتی کیسے متصور ہو سکتی ہے۔تو وہ کامل انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گا لَهُ الْحُكْمُ حکم اس کا ہے فیصلہ اسی کا چلے گا۔ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ اور حساب میں بہت تیز ہے۔مہلت زندگی تک ہے زندگی کے بعد پھر اس کو حساب میں دیر کوئی نہیں لگے گی۔

پھر وہ کامل قدرتیں رکھنے والا خدا ہے، وہ قاہر ہے۔وہ قاہر کے طور پر بھی ظاہر ہوگا، وہ کامل حق کے طور پر بھی ظاہر ہوگا اور **مولاھم الحق** میں یہ بیان فرمایا کہ اگر تم نے بچنا ہے تو حق کو مولیٰ بناؤ۔مولیٰ کا مطلب ہوتا ہے جو والی ہو، جو بچانے والا ہو، جو تحفظ دینے والا ہو۔تو فرمایا حق مولیٰ کی طرف جاؤ گے۔اگر تم نے اس دنیا میں حق کو اپنا نہ بنایا اور حق سے تعلق نہ باندھا تو اس دنیا میں پھر وہ تمہارا مولیٰ نہیں بنے گا۔اس لئے اگر بچنا ہے تو حق کو مولیٰ بناؤ گے تو بچو گے ورنہ نہیں بچ سکتے۔جن لوگوں نے جھوٹ کو مولا بنایا ہو، دنیا میں ہر مشکل کے وقت جھوٹ کی پناہ لیتے ہوں، ہر حرص کے وقت جھوٹ کی پناہ لیتے ہوں، ہر حمد کی تمنا میں جھوٹ کی پناہ لیتے ہوں، ہر مؤاخذے سے بچنے کے لئے جھوٹ کی پناہ لیتے ہوں، جن کا اندر باہر ساری زندگی کا نظام جھوٹ پر پل رہا ہو وہ یہ کہیں کہ قیامت کے دن ہمیں حق پناہ دے دے گا تو یہ جھوٹ ہے، یہ بہت بڑا جھوٹ ہے اور قرآن کریم اس کی مثال بھی پیش کرتا ہے۔تو بے وقوف ایسے بھی جھوٹے ہوں گے جو قیامت کے دن بھی خدا کی پناہ میں آنے کی بجائے جھوٹ کی پناہ میں بھی جانے کی کوشش کریں گے لیکن چونکہ وقت ختم ہو گیا ہے اس لئے انشاءاللہ یہ بقیہ مضمون میں اگلے خطبہ میں بیان کروں گا۔اتنا کہنا بہت کافی ہے کہ حق سے تعلق رکھے بغیر نہ اس دنیا میں کوئی کامیابی ہو سکتی ہے نہ اُس دنیا میں کامیابی ہو سکتی ہے۔لازماً ہمیں سچی جماعت کے طور پر ابھرنا ہوگا اور سچائی کو جب تک ہم ہر احمدی کے اندر اس طرح راسخ نہ کر دیں کہ اس کی فطرت ثانیہ بن جائے یا فطرت اولیٰ کی طرف وہ لوٹ آئے کیونکہ فطرت اولیٰ حق ہی تھی۔یہ کہنا غلط ہے کہ فطرت ثانیہ بن جائے یوں کہنا بہتر ہے کہ یہاں تک کہ وہ اپنی فطرت اولیٰ، اول فطرت کی طرف لوٹ آئے اس وقت تک ہم حقیقت میں نہ اس دنیا میں کامیاب ہو سکتے ہیں نہ اس دنیا میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی طرف سے فوز عظیم عطا فرمائے۔آمین

اب میں اس خطبے کے اختتام سے پہلے یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ایک بہت ہی

پیارے اور مخلص فدائی واقف زندگی چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ وفات پاگئے ہیں اور بہت سی خوبیوں کے مالک تھے، دل موہ لینے والی صفات تھیں اور سب سے جو زیادہ دلکش صفت تھی وہ سچائی تھی۔ بالکل سچے انسان، صاف کھرے کوئی جھوٹ، کوئی ٹیڑھے پن کی رگ نہیں تھی اس شخص میں۔ تو عمر تراسی سال تھی، ایک لمبے عرصے سے کینسر کے مرض میں مبتلا تھے مگر محض اعجازی طور پر زندہ تھے اور ڈاکٹروں کو بھی کچھ سمجھ نہیں آتی تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ بہت پرانی بات ہے جب میں وقف جدید میں ہوا کرتا تھا تو ایک دفعہ احمد نگر سے واپس آیا تو مجھے پیغام ملا کہ باجوہ صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ سوئٹزرلینڈ سے آئے ہوئے ہیں اور انہوں نے پیغام دیا ہے کہ ضرور ہمیں ملیں۔ چنانچہ میں اسی وقت لنگر خانے چلا گیا۔ وہاں ایک کمرے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں نے کہا کس طرح تشریف لائے ہیں آپ دونوں اچانک۔ انہوں نے بڑے تحمل سے کوئی خوف بھی نہیں تھا کہ کس طرح آنا تھا، ہم تو مرنے کے لئے آئے ہیں یہاں۔ میں نے کہا مرنے کے لئے کیا مطلب۔ انہوں نے کہا کہ ''تہانوں پتہ ای نئیں کہ ڈاکٹر نے کہا کہ چھ مہینے اندر مرجاؤ گے''۔ کہا دونوں ہی مرجاؤ گے اور کہتے ہیں ہم نے پنجابی میں بات کر رہے تھے اردو اسی کی یہ ہے کہ ڈاکٹروں نے تو ہمیں کہہ دیا ہے کہ تم مرجاؤ گے تو ہم نے کہا کہ وہاں جو مریں گے اور لاشیں اٹھوا کے یہاں لائیں گے تو کیوں نہ یہیں مریں آ کے تو چھ مہینے کے لئے ریزرو کرالیا ہے لنگر خانے میں کمرہ اور اپنی طرف سے مرنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ اب میں نے بتایا ناں کہ موت بھی اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ اللہ کا حکم نہیں تھا انتظار کر کے واپس چلے گئے اور اس کے بعد سالہا سال تک بارہا خطرات ہوئے اور اس طرح بیچ میں سے نکلے ہیں کہ ڈاکٹر حیران رہ گئے ہیں بالکل اور جب میں جایا کرتا تھا تو بڑی دور بھی سفر کر کے استقبال کے لئے آتے تھے اور تیز قدموں سے چلتے تھے۔ حیرت ہوتی تھی کہ خدا نے دیکھیں کیسے ان کو اعجازی طور پر شفا بھی عطا فرمائی اور خدمت دین کی ہمت آخر وقت تک رکھی ہے۔ تو ایک تو ان کا جنازہ ہے اور ان کے ساتھ ہی کچھ اور جنازے ہوں گے۔

یہ چار سال تک انگلستان کی مسجد کے امام بھی رہے ہیں۔ بہت ہی ان کے کوائف درج ہیں مگر مختصر جو میں نے بتانا تھا وہی کافی ہے۔ ایک سچا، مخلص، فدائی انسان تھا۔ زندگی میں بھی زندگی بھر اللہ کی رحمتوں کا نشان بنا رہا۔ آخرت میں بھی ہمیں امید ہے بھاری اللہ تعالیٰ سے کہ رحمت ہی کا مظہر

بنائے رکھے گا۔

چوہدری ناظر علی خان صاحب والد محترم خلیل احمد صاحب مبشر (امیر سیرالیون) بڑی قربانی کرر ہے ہیں، بہت عمدگی سے امارت کے فرائض سرانجام دیا ہے۔ان کے والد چوہدری نادر علی خان صاحب کی ہی خوبیاں ہیں جو دراصل اس بچے کو ایسی سعادت ملی ہیں۔ بہت سادہ، صاف طبیعت انسان، بے حد مخلص اور فدائی انسان، کوئی پیچ نہیں تھا اور نور فراست تقویٰ کی وجہ سے تھا سارا۔

مولوی صالح محمد صاحب ہمارے سلسلہ کے پرانے واقف زندگی اور خدمت کرنے والے انگلستان میں بھی کچھ عرصہ رہے ہیں اور غلام نبی صاحب گلکار جن کو کشمیر کی تاریخ سے ایک انمٹ تعلق ہے اور جماعت احمدیہ کے ساتھ بھی۔ حضرت مصلح موعودؓ کے ساتھ ایک عشق کا تعلق تھا بڑا گہرا،ان کی اہلیہ وفات پا گئی ہیں۔ بشریٰ بیگم صاحبہ اہلیہ قاضی مظفر احمد صاحب آف منڈی بہاؤالدین۔ شریفہ بی بی صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر کریم اللہ صاحب ضلع بہاولنگر۔ مکرم مشتاق احمد صاحب (حبیب اللہ خان صاحب پروفیسر کے داماد تھے) مکرمہ زبیدہ بیگم صاحبہ بنت مرزا عبدالغنی صاحب سابق محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان۔ مکرم والد صاحب صادق محمد طاہر آف خوشاب، یہ صادق محمد طاہر بھی اللہ کے فضل سے بڑے فدائی احمدی ہیں یہاں وقف کر کے بھی آئے ہوئے تھے اور اچھے سلسلے سے محبت کرنیوالے انسان ہیں۔ام الکرامہ یہاں کی آپ لجنہ کی خاتون تھیں بہت نیک، کینسر کی وجہ سے وفات ہوئی، محمد انور صاحب نام تھا ان کے میاں کا اور راشدہ پروین صاحبہ ہیں اہلیہ مجید احمد خان صاحب ربوہ۔عزیز احمد صاحب یہ ہمارے حیدرآباد کے مخلص فدائی خاندان سیٹھ محمد اعظم صاحب، سیٹھ معین الدین صاحب وغیرہ ان سے ان کا تعلق تھا اور یہ بھی بڑی خوبیوں کے مالک، مخلص فدائی انسان۔تو ان سب کی نماز جنازہ انشاءاللہ جمعہ کے معاً بعد ہوگی۔